

ایسے دن یا سال آنے والے ہیں جبکہ ہر سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے

کروڑوں انسان جماعت میں داخل ہوں گے

وہ صادق بننے کی کوشش کریں جن کے لئے خدا تقدیر کو حرکت دیتا ہے
اور وہ انسانی تدبیروں پہ غالب آ جایا کرتی ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ الرسالۃ ایمہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ کم مئی ۱۹۹۸ء بمقابلہ کم ہجرت ۷۴۳ھ ہجری مشی مقام بیت السلام، بر سلز (پبلیکیشن)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

ایک انذار ہے، ڈراوا ہے اگر تم بروں کی صحبت میں بیٹھنے سے باز نہ آئے تو لازماً تمہارا بدن جنم ہو گا۔ ”اور لکھا ہے کہ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ہوتی ہو اس مجلس سے فی الفور اٹھ جاؤ ورنہ جو اہانت سن کر میں اٹھتا اس کا شمار بھی ان میں ہی ہو گا۔“ اس مضمون کو میں پہلے بھی کھوں چکا ہوں کہ جہاں اہانت ہوتی ہے میں اٹھتا ہے فی الفور اٹھ جاؤ۔ مگر یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ اہانت والی مجلس میں دوبارہ جانے کا بھی خیال ہو۔ یہ مضمون آگے حضرت اقدس سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر بھی کھوں رہے ہیں، پہلے بھی میں نے بیان کیا تھا اب بھی یہ بیان کر رہا ہوں کہ یہ ہمارے لئے بہت ہی ضروری مضمون ہے اسے شدت کے ساتھ اور پورے خلوص کے ساتھ اپنی زندگی میں راجح کرنا چاہئے اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو اصلاح کی بہت توفیق ملے لے گی۔

فرماتے ہیں: ”صادقوں اور استبازوں کے پاس رہنے والا ان میں ہی شریک ہوتا ہے اس لئے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کو نُوْمَع الصَّادِقِينَ کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دنیا میں بھیجا تھے۔“ فرشتوں کو دنیا میں بھیجا تھا۔ یہ سمجھنا کیا منہ رکھتا ہے اس کی تفصیل میں یہاں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی ایسے روحانی وجود نہیں ہیں جو جسمانی بھی ہوں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتے ہوں۔ یہ بہت ہی لطیف مضمایں ہیں جن کو سمجھنا عام انسان کے بس کی بات نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سمجھانے کی خاطر اسی زبان استعمال فرمائی ہے جسے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ جسے کوئی اپرے اتر کے نیچے آیا ہے کسی مجلس میں آکے بیٹھ گیا ہے فرشتے اس قسم کی حرکت تو نہیں کرتے اور یہ مضمون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ کھولا ہوا ہے۔ اور قرآن کریم نے اس پر بہت روشنی ڈالی ہے۔ لیکن ان لفظوں کو جیسا کہ میں بیان کر رہا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سمجھتے ہوئے کہ حضور اکرمؐ کے الفاظ ہیں ان کے نتیجے میں جو دل پر اثر ہوتے ہیں۔

بھیپن میں اکثر صحابہ کی صحبت میں بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے اور کئی ایسے صحابہ تھے جو خاموش رہا کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے سے دل میں نیکی ترقی کرتی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف دل کار جان بڑھتا تھا۔ تو یہ خاموشی بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ مضمون بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب پھر صدق والا یا تمیں کرتا ہے تو انسان ان سے بھی بہت فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس ”جور استبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدلو اور شریروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کر جاتی ہے۔“ یہ بھی میں بازہ بیان کر چکا ہوں۔ حضرت خلیفۃ الرسالۃ کے حوالے سے بھی کہ آپ نے ایک شخص کو جس کے دل میں دہریانہ خیالات پیدا ہو رہے تھے نماز میں جگہ بدلنے اور بعض دوستوں سے پرہیز کی نصیحت فرمائی اور انہوں نے بعد میں عرض کیا کہ بالکل دل ٹھیک ہو گیا ہے۔ تو ایک بد خیال کا آدمی ضرور بدی اثر کرتا ہے۔

فرماتے ہیں: ”اے لئے حدیث اور قرآن شریف میں صحبت بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تهدید پائی جاتی ہے۔“ صحبت بد سے جتنا در بھاگو اتنا بستر ہے۔ تھدید کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله -

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم - بسم الله الرحمن الرحيم -

الحمد لله رب العالمين - الرحمن الرحيم - ملك يوم الدين - إياك نعبد وإياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين -

هُنَّا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّقُوا اللَّهَ وَكُوَّنُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ (سورة العویہ آیت ۱۱۹)

یہ وہ آیت ہے جو گزشتہ خطبے میں میں نے تلاوت کی تھی اور اسی آیت کی تشریع میں حضرت اقدس سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ حوالے ابھی باقی تھے جو پڑھ کر سنائے نہ جاسکے تو میں نے گزشتہ خطبے میں اعلان کیا تھا کہ یہ مضمون آئندہ خطبے میں بھی جاری رہے گا اور جب تک ان تمام اقتباسات کا مضمون جماعت کو سمجھانہ دیا جائے ہم دوسرے مضمون میں داخل نہیں ہوں گے۔ تو آج پھر میں سے میں بات شروع کر رہا ہوں۔

حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”جب انسان ایک راستہ اور صادق کے پاس بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے لیکن جو راستہ اور اس کی صحبت کو چھوڑ کر بدلو اور شریروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کر جاتی ہے۔“ یہاں بیٹھتا ہے فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ براہ راست بعض نیکیوں کا اثر دوسرے انسان پر پڑتا ہے اور اس میں کسی گفتگو اور بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اگرچہ گفتگو بھی ہوتی ہے اور نیکی اور تقویٰ کا مضمون انسان راستہ اور اس کے ذریعے بھی سمجھتا ہے لیکن یہاں پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ”بیٹھتا ہے تو صدق اس میں کام کرتا ہے۔“ یہ امر واقع ہے اس کو ہم نے بہت تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ جب کسی یہی انسان کے پاس بیٹھو تو اس کے نیک خیالات دل پر اثر کر رہے ہوتے ہیں۔

بھیپن میں اکثر صحابہ کی صحبت میں بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے اور کئی ایسے صحابہ تھے جو خاموش رہا کرتے تھے اور ان کے پاس بیٹھنے سے دل میں نیکی ترقی کرتی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف دل کار جان بڑھتا تھا۔ تو یہ خاموشی بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ حضرت سُبح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ مضمون بھی بیان فرماتے ہیں کہ جب پھر صدق والا یا تمیں کرتا ہے تو انسان ان سے بھی بہت فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس ”جور استبازوں کی صحبت کو چھوڑ کر بدلو اور شریروں کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان میں بدی اثر کر جاتی ہے۔“ یہ بھی میں بازہ بیان کر چکا ہوں۔ حضرت خلیفۃ الرسالۃ کے حوالے سے بھی کہ آپ نے ایک شخص کو جس کے دل میں دہریانہ خیالات پیدا ہو رہے تھے نماز میں جگہ بدلنے اور بعض دوستوں سے پرہیز کی نصیحت فرمائی اور انہوں نے بعد میں عرض کیا کہ بالکل دل ٹھیک ہو گیا ہے۔ تو ایک بد خیال کا آدمی ضرور بدی اثر کرتا ہے۔

فرماتے ہیں: ”اے لئے حدیث اور قرآن شریف میں صحبت بد سے پرہیز کرنے کی تاکید اور تهدید پائی جاتی ہے۔“ صحبت بد سے جتنا در بھاگو اتنا بستر ہے۔ تھدید کا مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے

خدمت دین کرنے والوں کے لئے اور ان کے خاندانوں کے لئے ہے اور اسی طرح ان واقعین زندگی کے لئے ہے جنہوں نے کہیا اپنے آپ کو خدا کے حضور پیش کر دیا ہے۔ بہت سے ان کے خاندان والے، رشتہ دار یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان پر احسان کر رہے ہیں، ہم نے ان کے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے پیوی پچوں کا خیال رکھتے ہیں اور اسی طرح آج جماعت جرمی میں بکثرت ایسے بڑے اور بچے اور جوان اور عورتیں ہیں جن کو اپنے گھروں کی ہوش نہیں اور جو کلیہ دین کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں واقعہ ان میں سے بعض کے بھائی یا اقرباء سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت کر رہے ہیں گویا کہ ہم نے ان کے بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پلے باندھ لو کہ تمہیں کیا پتہ کہ تمہارے رزق میں ان کی وجہ سے برکت ہے۔ اگر یہ دین کی خدمت چھوڑ دیں تو پھر دیکھنا کہ تمہارا کیا حال باقی رہ جاتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جیسا اس وقت سچا تھا دیباہی آج بھی سچا ہے۔ یعنی پوری شان کے ساتھ آج کے زمانے کے خدمت کرنے والوں پر بھی اور ان کے رشتہ داروں پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ پس یہ شری نفسمیں یہ سارے لوگ داخل ہیں جنہوں نے اپنی جانیں نجی ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یقین دلادے اور ان کے اعزاء اور اقرباء کے دماغ میں وہم تک بھی نہ گز رہے کہ ان کی وجہ سے ان کے خاندانوں کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے۔

حضرت اقدس سماج موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آیت کی مختلف تشریحات میں فرماتے ہیں، مختلف تحریروں میں آپ نے مختلف پہلوؤں پر زور دیا ہے۔ مثلاً فرمایا ”یعنی انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسانوں میں جو خدا کی رحمائی کھوئے جاتے ہیں۔“ اپنی جان نجی دی قوباتی کیا رہا ان کے پاس۔ ”وہ دنیا سے غائب ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی یاد میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان یہچے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں۔“ یہ مول لیتے ہیں بست پیدا اظہار ہے۔ یعنی فرمایا کہ جیسے سودا کرنے والے کو جو وہ خرج کرتا ہے اس کے نتیجے میں وہ سواد ایجادا ہے جس کی خاطر وہ خرج کرتا ہے۔ تو مول لیتے ہیں سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے لئے اس کے سوا کوئی پارہ نہیں کہ اپنی رضاۓ ان کو منتفع فرمائے کیونکہ گواہوں نے اس کی رضاخیری۔ اب اللہ سے تو کوئی ویسے سواد نہیں کر سکتا، اس کی رضاخیری نہیں جاسکتی مگر جب وہ خود کے کوئی ہوئے جو میری رضاخیری نہ والا ہے اور کچھ لوگ اس کے جواب میں آگے بڑھیں اور کہیں ہم میں تھری رضاخیری نہ چاہتے ہیں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس ادعائے پیچھے ہٹ جائے وہ لازماً پی رضا ان کو عطا فرماتا ہے۔

”وہ اپنی جان یہچے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے ایسا یہ وہ شخص جو روحاںی حالت کے مرتبے تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے۔“ اب مول یعنی جو ہے یہ فدا ہونے سے درے درے نہیں ہو سکا۔ فرمایا ”جو شخص روحاںی حالت کے مرتبے تک پہنچا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے۔“ خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص جبات پاتا ہے جو میری راہ میں اور پیری رضا کی راہ میں جان کو نجی دیتا ہے اور جافتانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا ہے۔“

جانفتانی عمر بھر کرنی پڑتی ہے۔ جان جو پیچی جاتی ہے کوئی ایک لمحے کا سواد نہیں ساری زندگی کا سودا ہے۔ مرتبے دم تک، آخری سانس تک جان پیچا ہے اب یہچے والے کی نہیں رہی۔ پس یہ کوئی ایسا سودا نہیں جو اچانک کسی بکری کو کسی کے پاس بیج دیا تھوڑا سا صدمہ اگر ہوا بھی تو اس کے بعد چھٹی کر لی۔ یہ تو ایک ایسی جان کا سواد ہے جو لمحہ لمحہ جینے والی جان ہے اور لمحہ لمحہ مرنے والی جان ہے۔ ہزار سو شیں اسے خدا کی خاطر قبول کرنی ہو گئی اور ہزار زندگیاں ہر موت کے بد لے اسے ملیں گی۔ پس یہ ہے من یہ شری نفسم کے جو اپنے نفس کو اللہ کی خاطر نجی دیتا ہے۔

فرمایا ”جانفتانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے۔“ یہ نہیں کہ ایک دفعہ نجی دیا اور بات ختم ہو گئی۔ بہت سے واقعین زندگی ہم نے دیکھے ہیں جنہوں نے کسی خاص لمحہ عخش میں اپنی جان کو خدا کے پس رد کر دیا اور اس کے بعد چھٹی کر لی۔ پھر ساری عمر ایسی حرکتی کرتے رہے جو جان یہچے والے نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسیوں کو پکڑتا ہے اور لازماً ان کا بدن انجام ہوتا ہے۔ کبھی بھی وہ اس حالت میں مرتے

حقیقت ہے کہ چیل باوجود اس کے کہ بہت خونگوار ہے اور چوزے پر ذرہ بھی رحم نہیں کرتی اور جانتی ہے کہ مرغی کی اس کے مقابل پر کوئی بھی حیثیت نہیں مگر پھر بھی اسے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اس کے پروں کے اندر سے اس کاچھ نوج لے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ فطرت بخشی ہے کہ وقت پر جب اسے اپنے عزیزوں کے نقصان کا اپنے پیاروں کے نقصان کا خطرہ ہو تو انسان پھر جاتا ہے اور سب سے زیادہ ماں پھر تی ہے اور مختلف جن کو کہتے ہیں یعنی جانوروں کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے، بتاتے ہیں کہ ظاہر کمزور نظر آنے والی ماں سیں بھی ایسے موقعوں پر ایسا پھر تی ہیں مثلاً شیرنی کہ اس کے مقابل پر بہت بڑے بڑے شیر بھی ڈر کے بھائی جایا کرتے ہیں۔ تو سوچیں کہ ایک مرغی کے بچے کو اگر یہ امن نصیب ہو تو وہ جو اللہ کے پیارے ہیں ان کو کیا امن نصیب نہیں ہو گا۔ مگر وہ چوزہ جو باہر رہ جائے، جو سمجھے کہ کوئی ایسی بات نہیں، وہ ضرور اچکا جاتا ہے۔ چیل اس پر چھپتی ہے اور اس کو اڑا لے جاتی ہے۔

تو آپ لوگ مرغی کے چوزوں سے توزیادہ عقل دکھائیں۔ اول تoxid ایک پناہ میں آکر شیطان کے ہر خطرے سے آپ بچ کتے ہیں اور بچیں گے اور لازماً بچیں گے بلکہ اگر یہ بے پرواہی ہوئی، اس دائرے سے باہر نکل کر اپنی قسم آزمائیں گے تو جان لیں کہ بیکنا آپ کی قسم ہلاک شدہ لوگوں کی قسم ہے۔ جو نبی آپ نے یہ آزمائش کی اس آزمائش میں آپ مارے جائیں گے۔ پس قرآن کریم نے ائمہ لکھ دعوٰ میں کہ کہے جانا کہ وہ توتاک میں بیٹھا ہے۔ شیطان کو تو ذرہ بھی تم نے موقع دیا تو وہ تحسیں اچک کے لئے جائے گا۔ پس اس پہلو سے اپنی ساری زندگی کی، اپنے لمحہ کی خلافت ضروری ہو جاتی ہے۔ فَإِنْ زَلَّتُمْ أَكْرَمْ ذَلِكَمْ بَعْدَ اِذْنَنِ اللَّهِ عَزَّ ذَلِكَمْ فَإِنْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت غالب حکمت والا اور بزرگ اور الہ۔ احمدیوں کے

لئے اس میں خصوصیت سے یہ سبق ہے کہ ان کے پاس اس کثرت سے اس دور میں نشان آئے ہیں کہ ان کے ڈمگانے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ آئے دن اللہ تعالیٰ اپنے تازہ نشان آپ کو دکھاتا ہے اور اس کے باوجود اگر خدا نخواستہ آپ کے قدم ڈمگانے میں تو بہت بڑی محرومی ہو گی۔ ان آیات کی تشرع کے طور پر میں حضرت اقدس حجۃ معطی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اور پھر حضرت سعی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

سنن الترمذی سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ عبد نبوی میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک آنحضرت ﷺ کے حضور حاضر رہتا تھا، میں نے خصوصیت سے اس لئے یہ حدیث چھتی ہے کہ بعض لوگوں کے ذہن میں صرف ابوہریرہ کا نام آتا ہے کہ گویا وہی رہتے تھے جو مسجد میں۔ ابوہریرہ تو دن رات دین رہتے تھے باہر نکلتے ہی نہیں تھے مگر بکثرت ایسے صحابہ تھے جو جتنا بھی ان کو وقت میسر ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتے تھے اور ابوہریرہ کے علاوہ بھی بعض ان میں سے ایسے تھے جنہوں نے اپناروزہ کام چھوڑ دیا تھا۔ یعنی ظاہر تک تھے کچھ کہا نے والے نہیں تھے۔

حضرت انس بن مالک یہ میان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بھائی حاضر رہتا تھا اور دوسرا کام میں مصروف رہتا تھا۔ کام کرنے والے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی مکایت کی کہ مجھ لکیے پہنچ دیا ہو اسے۔ ہر وقت یہ آپ کے پاس بیٹھا رہتا ہے اور میں اکیلا گمراہ چلانے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”الْعَلَمُ تُرْزَقُ بِهِ“ کیا خیر عین ممکن ہے کہ تجھے جو روز قیامت کی طلاق کیا جا رہا ہے اس کے سبب سے ہو۔ بہت عظیم الشان ایک سروایت ہے اس حدیث میں، ایک سرچھپا ہوا ہے اور وہ سب ایک ایسی جان کا سواد ہے جو لمحہ لمحہ جینے والی جان ہے اور لمحہ لمحہ مرنے والی جان ہے۔ ہزار سو شیں اسے خدا کی خاطر قبول کرنی ہو گئی اور ہزار زندگیاں ہر موت کے بد لے اسے ملیں گی۔ پس یہ ہے من یہ شری نفسم کے

فرمایا ”جانفتانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے۔“ یہ نہیں کہ ایک دفعہ نجی دیا اور بات

ختم ہو گئی۔ بہت سے واقعین زندگی ہم نے دیکھے ہیں جنہوں نے کسی خاص لمحہ عخش میں اپنی جان کو خدا کے پس رد کر دیا اور اس کے بعد چھٹی کر لی۔ پھر ساری عمر ایسی حرکتی کرتے رہے جو جان یہچے والے نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسیوں کو پکڑتا ہے اور لازماً ان کا بدن انجام ہوتا ہے۔ کبھی بھی وہ اس حالت میں مرتے

مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھولے نہیں ہیں۔ یہ بظاہر خیال پیدا ہو کہ علمی تجھیل ہی کو آپ اہمیت دے رہے ہیں۔

سب سے پہلی بات آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نیک کی صحبت اختیار کرو تو بغیر گفتگو کے بھی تمہارے دل میں نیکی سراحت کر جائے گی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ پہلے رسولوں میں یہ بات سنی نہیں تھی۔ تھی تو کم کم ہوگی۔ مگر خصوصیت سے اس کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیت اور انتیاز بخشنا ہے اگر یہ آپ تک ہی ٹھہر جاتا تو تمام آنے والے زبانوں کو آپ کا فیض کیسے پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے یہ فیض صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ہی نہیں پہنچا بلکہ کثرت کے ساتھ جو آپ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دل کی نیکی دل پر اڑ کر جاتی ہے یہ وہی فیض ہے اور عام ہو چکا ہے۔ اس بات کو اب تفصیل سے بیان کرنے کے بعد پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام علم کی ضرورت بھی بیان فرماتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے یعنی ہمکتاب والجھکمة وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لِفْيِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کہ محمد رسول اللہ ترکیہ نفس کے بعد تعلیم کتاب اور کتاب کی حکمتیں بھی بیان فرماتے ہیں۔

”بارہ خطوط آتے ہیں۔“ یہ مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ ہیں ”مگر فلاں شخص نے اعتراض کیا اور ہم جواب نہ دے سکے اس کی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ وہ لوگ یہاں نہیں آتے اور ان باتوں کو نہیں سنتے جو خدا تعالیٰ اپنے سلسلے کی تائید میں علمی طور پر ظاہر کر رہا ہے۔ پس اگر تم واقعی اس سلسلہ کو شاخت کرتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا سچا وعدہ کرتے ہو تو میں پوچھتا ہوں کہ اس پر عمل کیا ہوتا ہے۔ کیا کٹونوا مع الصادقین کا حکم منسخ ہو چکا ہے؟“ اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ صدق صرف حق بولنے کا نام نہیں۔ اسلامی اصطلاح میں جس کو صادق کہا جاتا ہے وہ حق بولنے سے بہت زیادہ آگے اور وسیع اصطلاح ہے۔

”صادق سے صرف یہی مراد نہیں کہ انسان زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ یہ بات تو بت سے ہندوؤں اور دہریوں میں بھی ہو سکتی ہے۔“ یہ امر واقعہ ہے کہ ہم کئی دفعہ ایسے ہندوؤں سے ملتے ہیں۔ میں خود بھی مل چکا ہوں۔ اور دہریہ مغربی لوگوں سے مل چکا ہوں جن میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ زبان سے جھوٹ نہیں بولتے۔ ”صادق سے مراد وہ شخص ہے جس کی ہربات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اسکی ہر حرکات و سکنات و قول سب صدق سے بھرے ہوئے ہوں۔“ یعنی سچائی کی باتیں جب وہ کرتا ہے، پچی باتیں کرتا ہے مگر جب وہ سچی باتیں کرتا ہے تو وہ ساری سچی باتیں اسکے عمل میں نہیں ڈھلتیں۔ یہ فرق ہے مومن صادق اور غیر مومن صادق کا۔ جو غیر مومن حق بولنے والا ہے وہ ہزار حق بولے لیکن دل میں خود بخود جانتا ہے کہ میرے لئے اس پر عمل مشکل ہے اور میں نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میری الیٰ مجلس میں واضح طور پر اقرار کرتے ہیں کہ بالکل ٹھیک کہا ہے یہی اسلام کی تعلیم ہوئی جائے۔ مگر ان کے چروں سے دکھائی دیتا ہے کہ وہ عمل نہیں کر سکیں گے۔

تو یہ صدق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ”مراد وہ شخص ہے جس کی ہربات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے ہر حرکات و سکنات و قول سب صدق سے بھرے ہوئے ہوں گویا یہ کو کہ اس کا وجود ہی صدق ہو گیا ہے۔“ یہ کامل سچائی بن چکا ہے ”اور اس صدق

اب یہ مضمون جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شروع فرمایا ہے کہتے ہیں تجھیل علمی کے بعد تجھیل عملی کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک علم میں انسان ترقی نہ کرے اس کا نفس ان اعمال پر تیار نہیں ہوتا جو اعمال علم کے نتیجے میں خود بخود ظاہر ہونے چاہیں۔ فرمایا تم تیک عمل کیسے بنو گے اگر وہ علم حاصل نہیں کئے جن کے نتیجے میں کوئی عمل بھی عطا ہو اکرتا ہے۔ اگر علم سچا ہو اور واقعہ انسان کو نصیب ہو جائے تو اس علم کے بعد ایک عمل لازم ہو جایا کرتا ہے۔ یہ حکمت کی بات ہے جو سمجھانے والی ہے۔ آپ کو کسی چیز کے متعلق علم ہے کہ یہ میری صحت کے لئے ابھی ہے تو آپ اسے پرے نہیں پہنچتیں گے۔ آپ کا عمل آپ کے علم کی سچائی کو اس طرح ظاہر کرے گا کہ آپ اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ تمام انسانی جدوجہد علم کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ جب یہ علم ہو کہ ایک چیز ہمارے لئے بڑی ہے تو لازماً خود انسان اس سے پہنچے ہئے لگ جاتا ہے۔ پس عمل کی تجھیل، علم کی تجھیل کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر علم ترقی کرتا ہے اور جوں جوں علم ترقی کرتا ہے ساتھ ساتھ عمل بھی ترقی کرتا ہے۔ یہ حکمت کی بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں فرماتے ہیں ”پس تکمیل عملی بدوں تکمیل علمی کے مجال ہے“، ہما ممکن ہے۔ ”اور جب تک یہاں اگر نہیں رہتے تجھیل علمی مشکل ہے۔“ اب یہاں اگر نہیں رہتے، کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایم ٹی اے کے ذریعہ دے دیا ہے۔ فرماتے ہیں ”بارہ خطوط آتے ہیں کہ فلاں شخص نے اعتراض کیا اور ہم جواب نہ دے سکے۔“ یہ اب بھی ہوتا ہے اور ہر ایسے سائل کو میں جواب دیتا ہوں کہ آپ اگر ایم ٹی اے پر ایسے پروگراموں کا مطالعہ کرتے جن میں علمی سوالات کے جواب دئے گئے ہیں تو اتنی کثرت کے ساتھ مختلف سوالات کے ہر پہلو پر، مختلف وقوف میں بحث کی گئی ہے کہ اس کثرت کو دیکھ کر ڈر آتا ہے کہ اس سارے کو لوگ کیسے سن سکیں گے۔ لیکن جب بھی سنیں گے، جتنا بھی سنیں گے وہ یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حیران ہو گئے کہ کسی دشمن کا کوئی بھی اعتراض باقی نہیں رہا جس کے ہر پہلو سے متعلق کوئی بات نہ ہو چکی ہو۔

تو پھر خطوط کے ذریعہ مجھے پوچھتے ہیں کہ ہمیں لکھ کر بتاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ میرے لئے یہ تباہ کل ممکن نہیں ہے کہ میں آپ کے خط کے جواب میں دس ہزار صفحے کی ایک کتاب بھیج دوں اور نئی لکھواؤں۔ وہ باقی جو اکٹھی کی گئی ہیں اگر واقعہ ان کو تفصیل سے ساری مجلس کو، ان میں درس قرآن بھی شامل ہے اس میں بھی بہت سے نکات بیان ہوتے ہیں، اس میں ہر فہم کے پروگرام شامل ہیں یہاں تک کہ بچوں کے پروگرام بھی شامل ہیں، ان کو اگر اکٹھا کر کے لکھواؤ کے لکھواؤ سے کم از کم دس ہزار صفحے کی کتاب بنے گی۔ تو کیسے ممکن ہے۔ عجیب سوال کرتے ہیں۔ لا علمی ہے تو اتنی لا علمی ہے کہ پہہ ہی نہیں کہ ان سب باتوں کا جواب آپ کا ہے۔ کوئی پاکستان سے لکھ رہا ہے پچھے، سالکوٹ کے کسی گاؤں سے کہ مجھے ان سوالات کے جوابات اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجیں اور وہ سوالات ایسے ہیں جن میں واقعہ کم سے کم ایک ہزار صفحے کا خط مجھے لکھنا پڑے گا کیا لکھواؤ پڑے گا۔ تو یہ چیز ہم باقی چھوڑ دیں۔ عقل سے کام لیں۔ سارے مواد موجود ہے اور جس کو یہ بھی علم نہیں اس کی تجھیل عملی کیسے ہو گی۔ اس لئے جماعت میں اس علم کو شرہ دینا ضروری ہے۔ کثرت کے ساتھ اس علم کا انتشار کریں اور سب کو بتائیں کہ ہر قسم کے اعتراضات کے جواب ہیں۔ صرف ان کو اپنی جماعت کے متعلقہ شعبے کو یہ لکھنا ہے کہ ہمارے یہ سوالات ہیں ان کے جواب کمال

جو اللہ کی خاطر جو کچھ ان کے پاس ہے فدا کرتے رہتے ہیں وہ زیادہ فدا تو نہیں کر سکیں گے مگر جو کچھ تھوڑا اہم ان کے پاس نکجھ جائے گا وہی پیش کرتے رہیں گے۔ اس کے بر عکس بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جب کشاوش سے آزماتا ہے تو اس وقت وہ کچھ نہ کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور جب ان پر مالی تنگی کے دن آتے ہیں تو اجازتیں لیتے ہیں کہ اب ہمیں توفیق نہیں رہی۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مضمون پیش فرماتا ہے ہیں اس کے مطابق دنیا بالذات نہیں ہوتی۔ اصل میں اللہ کی رضا حاصل کرنا اور اس کی خاطر اس کا دیا ہوا خرچ کرنا ہے۔ پس اگر اس نے کم کر دیا تو کم میں سے دو۔ اگر زیادہ دیا ہے تو زیادہ میں سے دو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا دین دنیا پر مقدم رہتا ہے۔

فرمایا: "ایے لوگ دین کو ایک خوابیدہ نظر سے دیکھتے ہیں"۔ یہ خوابیدہ نظریں بھی ہر انسان پہچان سکتا ہے۔ کم سے کم اپنی خوابیدہ نظر کو پہچاننے کی انسان میں صلاحیت ضرور موجود ہے۔ دینی امور جتنے بھی اسکے گرد ویش واقع ہو رہے ہیں وہ ان کو ایک اتفاقاً حادثاتی طور پر ساتھ ساتھ چلنے والے امور سمجھتا ہے، براہ راست اس کا دل ان امور میں نہیں ہوتا۔ احمریت ترقی کر رہی ہے، لوگ نیک بنتے چلے جا رہے ہیں، سب میں قربانی کی روح بیدار ہو رہی ہے اسے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ سارے میرے لئے خدا تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ہربات جو میں ایسی سختا ہوں جو دین کی ترقی کی ہے وہ میرے دل میں بے انتہا لذت پیدا کرتی ہے۔ سبحان الله، بسم الله کہتے ہیں کہ اچھائی ہو رہا ہے مگر براہ راست دل پر وہ لذت کی کیفیت ظاری نہیں ہوتی جیسی اپنی تجارت کے چکنے کے نتیجے میں ان کے دل پر ایک لذت کی کیفیت ظاری ہو جاتی ہے اگر کوئی ان کو خبر سنائے کہ جور ویسے تم نے فلاں جگہ لگایا تھا وہ ایسا ہوا کہ تجارت میں کہ وہ بہت بڑھ چکا ہے۔

دنیا میں ایسے حادثات ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں بعضوں کی معقولی تحریر میں بھی ایک دم چک اٹھتی ہیں۔ اگر وہ ایسا دیکھیں تو دیکھیں ان کا دل اس بات کو کبھی بھی خواہید نظر سے نہیں دیکھے گا، بے انتہا خوشیوں سے بھر جائے گا، لذتیں دل میں سمائی ہی نہیں جائیں گی۔ اتنا گر اثر پڑے گا اس خبر کا کہ اگر اس کو احمدیت کی کامیابیوں کی خبر کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھیں تو وہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گی۔ پس یہ بہت لطیف ہاتھ میں ہیں جو صحیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چند لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ اب جب میں نے سمجھا دیا تو پھر دوبارہ نہیں اس تحریر کو تو معلوم ہو گا کہ خواہید نظر کیا معنی رکھتی ہے۔

”مگر جو لوگ دنیا کی الملک و جائیدار کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقی مومن اور ضادِ حق مسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتیوں اور قوتیوں کو مدام الخیات وقف کر دے۔“ جب تک زندگی باقی ہے ان سب چیزوں کو وقف کر دے۔ ”تاکہ وہ حیات طیبہ کاوارث ہو۔“ جن لوگوں کے حق میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کو حیات طیبہ عطا ہوئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ موت تک خدا کی راہ میں وقف رہتا ہے۔

بی یادداشتن، بر این احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۱ تا ۳۰، پیغام صلح صفحہ ۲۸ بے یہ عبارت لی گئی ہے۔ پھر فرمایا ”اے ایمان والو خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دواز شیطانی زراہوں کو اختیار مت کرو۔“ جیسا کہ کلام الٰہی سے میں نے یہ ثابت کر کے دکھایا تھا کہ اور کافلظ بظاہر ایک زائد بات کا تقاضا کر رہا ہے مگر حقیقت میں چلی بات، اسی کی تشریح ہے۔ یعنی اسی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ عبارت ہے کہ ”اے ایمان والو خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔“ گردن دو طرح سے ڈالی جاتی ہے۔ ایک بیل جس کے اوپر، جس کی گردن میں خدمت کا جو اذالا جاتا ہے وہ بیل جس کو عادت پڑھکی ہوتی ہے جب جو اٹھا کر زمیندار اس کی طرف چلتا ہے گردن پر ڈالنے کے لئے تو میں نے خود دیکھا ہے ایسے بیلوں کو وہ سر نیچے کر دیتے ہیں اور وہ بیل زمیندار کو بہت پیارے ہوتے ہیں اور کچھ بیل ایسے ہیں جو سینگ مارتے ہیں اور بڑی مشکل سے ان کو قابو کر دیتے ہیں اسی کے پھنسنے ان کے سینگوں پر ڈالنے پڑتے ہیں اور ایک آدمی ایک طرف سے گھسیٹ رہا ہے دوسرے نے جا کر جو اذال دیا۔ تو یہ سلوک تونہ کرو اپنے اللہ سے۔ اس کے بیل ہو اس کے لئے اپنی جان فتح ڈالی اور گردن جو اس کے لئے ختم نہ کی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمادی ہے ہیں خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ ایک یہ معنی ہیں۔

دوسرے اذن کرنے کے لئے گردن ڈال دو جیسے حضرت اسماعیل نے اپنی گردن ڈالی تھی۔ تو یہ دونوں طریقے ایسے ہیں جن میں آپ اپنی جان کے ذریعے اس بات کا اقرار کر رہے ہو گئے کہ میں نے یہ جان پیچ کھوئی ہے میری نہیں رہی۔ اس کے بعد ”اور شیطانی را ہوں کو اختیار مت کرو“ کیا یہ مطلب ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ایسا گردن ڈالنے والا احتلاہ بھی شیطان کی راہ اختیار کر سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ الگ بات ہے، یہ اور بات ہے۔ شیطانی را ہیں اختیار کرنے والے اور لوگ ہیں اور یہ بالکل اور لوگ ہیں۔ اگر شیطان سے پچنا ہے تو گردن ڈالا ماضی نہیں کہ خدا کسما منشاء اگر ڈالو۔

”شیطان تمہارا دشمن ہے“ وہی آیت کریمہ ہے جو میں نے پہلے پڑھی تھی اسی کا تشریحی ترجمہ ہے۔

اور وہ حقیقت جو ہے اس کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کوئی آنکھ ایسی نہیں جس نے وہ جنت دیکھی ہو، کوئی کام ایسا نہیں جس نے اس جنت کا بیان نہایا۔ پس حقیقت میں وہ جو کچھ بھی ہے یہ اللہ ہی بستر جانتا ہے مگر اس دنیا کی جو خدا کی محبت کی لذتیں ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی خاطر ان ان تمام دنیا کو ایک طرف پھینک دیتا ہے اور ان کو قبول کرتا ہے ان لذتوں کی شدت کا یہ اثر ہے کہ ہر دوسری لذت یقین ہو جاتی ہے تو اس سے لاکھوں کروڑوں گناہ بڑھ کر جو لذت آئندہ مقدیر ہے اس کا تصور باندھا جائے۔ وہ اگر اور کچھ نہیں تو ان لذتوں کی خاطر ہی اپنی دنیا کو بدلو مگر اگر اس دنیا میں جنت نصیب نہ ہوئی تو ان لذتوں کی خاطر جو کچھ بھی کرو گے وہ سب بے کار جائے گا۔ یہ یقام ہے جس کو آپ کو اچھی طرح ذہن تشنیں کر لیتا چاہئے۔

عموماً بعض لوگ سختی کر کے بھی، محنت کر کے بھی ظاہر اگلی دنیا کمانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض ایسے مشقت کرنے والے ہیں جن کے کھڑے کھڑے نالگیں سوکھ جایا کرتی ہیں جو ہاتھ اوپرچا کرتے ہیں تو ہاتھ شل ہو جاتے ہیں مگر حاصل کچھ نہیں ہوتا کیونکہ مرنے کے بعد کی جوزندگی ہے وہ ان کو طے لگی جن کو ان چیزوں میں گری لذت ملتی ہے جو ایک لذت کے خیال سے مصبت اٹھاتے ہیں ان کو نہیں مل سکتی۔ اس اقتباس کے بعد جو یہ رپورٹ جلسہ عظم مذاہب صفحہ ۱۳۲، ۱۳۱ سے اقتباس لیا گیا تھا اسی رپورٹ سے میں ایک اور اقتباس آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

فرماتے ہیں: "یعنی خدا کا پیار ابندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی بھی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھے۔" (رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ ۱۸۸) اب استقامت کے متعلق وہ کیا چیز ہے، حضرت تک موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباسات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اب وقت چونکہ تھوڑا رہا ہے اس لئے مجھے نسبتاً جلدی اگر نہ ہو گا۔

”اللہ کے بندے جو دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں۔“ یہ تحریر ہے جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۹، ۱۹۰۰ء کی۔ ”اللہ کے بندے جو دین کو دنیا پر مقدم کر لیتے ہیں ان کے ساتھ وہ رافت اور محبت کرتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے وَاللَّهُ رَءُوفٌ وَّفَتَ بِالْعِبَادَةِ إِذَا أَنْتَ^۱ بِنَوْلٍ پر یا خالص بندوں پر یا مربان ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اس کی راہ میں صرف کرنا اس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔“

پس وہ ساری دنیا کی جماعتیں جو قربانی کے اس عظیم دور میں داخل ہو چکی ہیں اور ان جماعتوں میں اللہ تعالیٰ نے جماعت جرمنی کو بھی ایک مقام عطا فرمایا ہے ان کے لئے اس تحریر میں یہ سبق ہے کہ جتنی بھی قربانی دیں اس قربانی کو اللہ تعالیٰ کی رافت کا حصہ سمجھیں۔ محض اللہ کا احسان سمجھیں کہ خدا ان کو یہ توفیق دے رہا ہے اور بھولے سے بھی دل میں یہ خیال نہ گز رے کہ شاید ہم کچھ کر رہے ہیں خدا کی خاطر، خدا کی خاطر ہو یا خدا کے لئے بھی نوع انسان کی خاطر ہو، دونوں صور توں میں خدمت اپنی ذات میں اعزاز ہے اور اسی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نقد سودا بیان فرمائے ہیں۔ ہر خدمت اپنی ذات میں اپنی جزا ہے اور جزاً پر انسان کسی پر اچھا نہیں، کہا کہ تاج بر کو جراء نہیں ہو ساتھ ساتھ وہ کہے کہ اگر دن را حسکتا ہے۔

”اپنے ماں کو اس کی راہ میں صرف کرنا اس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر جو لوگ دنہ
کی املاک و جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔“ ”دنیا کی
املاک و جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں۔“ دنیا کمانے سے تواحر از ممکن ہی نہیں ہے اگر اور کچھ
نہیں تو خدا کی راہ میں یا میں نوع انسان کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہی انسان دنیا کامے گا اور جس کی
نیت یہ ہو کہ وہ مجھے اتنا ملے کہ میں زیادہ سے زیادہ اللہ اور اس کے دین کی اور اس کے بندوں کی خدمت
کر سکوں وہ اس دنیا کی کمائی کو بالذات نہیں سمجھتے یعنی یہ کمائی ہے۔ ہے تو ہے نہیں تو نہ سی اللہ کی
مرضی۔ اگر اللہ کی مرضی پر نگاہیں ہیں تو خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ان کو سب کچھ چھین کر اس ایجاد میں بھی
آزمائسکتا ہے کہ جب ان سے سب کچھ چھین لیا جائے تو دیکھیں ان کے چڑے پر یا ان کے دل پر ملال
نہیں آ جاتا۔

واضح، اپنی ذات میں واضح ہونا چاہئے مگر سمجھانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوٹے لفظوں میں بیان کرنے کی خاطریہ اصطلاح میں بیان فرمائی پڑتی ہیں۔

یہ مشکلوںی نور کیے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ”جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید سے پیدا ہوتا ہے۔“ عبد کو اپنے رب سے اگر بہت گرا تعلق ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ عبد کامل اور اللہ رب۔ تو یہ ہونی نہیں سکتا کہ اللہ کافور عبد کے دل میں منتقل نہ ہو جائے۔ تو نوروں کے حصول کے راستے کھادئے ہیں ورنہ دور کی باتیں تھیں۔ اب دیکھو کتنا ان باتوں سے انسان حلقہ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ”جس کو متصوفین دوسرے لفظوں میں روح قدس بھی کہتے ہیں۔“ یہ جو کیفیت ہے کہ دل میں نور جاری ہو جائے اور عبد اور رب کا تعلق ہو جائے اس کیفیت کو جو تصوف والے لوگ ہیں وہ روح قدس بھی کہتے ہیں۔

اب یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الروح القدس کی بات نہیں فرمائی ہے جو فرشتے کا نام ہے۔ فرمایا اس حالت کو تصوف والے لوگ روح قدس بیان کرتے ہیں کہ روح پی ہو گئی اس شخص کی اپنی روح پی ہو جاتی ہے۔ ”جس کے پیدا ہونے کے بعد خدا تعالیٰ کی نافرمانی ایسی بالطف بری معلوم ہوتی ہے کہ جیسے وہ خود خدا تعالیٰ کی نظر میں بری اور مکروہ ہے۔“ روح قدس کی تعریف یہ ہے کہ مزانِ انتہا اللہ سے مل گیا کہ جس چیز کو اللہ برادری کہتا ہے اس کو یہ بھی برادری کہتا ہے اور طبیعت میں کتنی آسانی سے گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک گناہ مکروہ و کھانی نہ دے اور بر انتہر نہ آئے اس وقت تک اس سے بچتے کی کوشش بردا مشکل کام ہے۔ وہ لازماً اپنی طرف کھینچے گا۔ فرمایا اس روح کامل کے حصول کی کوشش کرو جو عبد سے اپنے رب کی پیغمبرت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہو تو اگلا کام مخدوم کام ہے پھر تمیں کسی کوشش سے اس مقام کو حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، جو محبت کے نتیجے میں خود مخدوم حاصل ہو جائے گا اور ایک نور آسمان سے تمہارے دل پر اترے گا اور تمہاری فطرت کو پاک کر دے گا۔ اور فطرت کی پاکیزگی کا مطلب ہے اللہ قدوس ہے تو تم بھی قدوس ہو ایک جیسے ہو جاؤ اپنی چاہتوں میں، اپنی نفرتوں میں ایک جیسے ہو جاؤ۔

”وہ خود خدا تعالیٰ کی نظر میں بری اور مکروہ ہے اور وہ صرف خلقِ اللہ سے انتظام میسر آتا ہے بلکہ بھر خالق و مالک حقیقی ہر یک موجود کو کا لعدم سمجھ کر فنا نظری کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔“ یعنی جب یہ حالت پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا جو خالق و مالک حقیقی ہے دوسرے تمام وجود گوئی نظر سے غائب ہو جاتے ہیں اُنکی حقیقت ہی کوئی نہیں رہتی، عدم میں ذوب جاتے ہیں۔ یعنی دنیا موجود تور ہتی ہے لیکن ان کی اہمیت ایک ذرہ بھی نہیں رہتی کہ وہ خدا کے مقابل پر اس کو اہمیت دیں۔ وہ پھر تے ہیں سرسری نظر سے دنیا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے حسن کا بھی ملاحظہ کرتے ہیں مگر وہ حسن ان کو اپنی جانب نہیں کھینچ سکتا کہ خدا سے ہٹ کر لے جائیں۔

اکبھی مضمون باتی ہے اور وقت ختم ہو گیا ہے انشاء اللہ ای مضمون سے آئندہ شروع کریں گے اور بھر اگلی آیات۔

فرمایا، ”اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔“ (الحكم جلد نمبر ۳۰۰، ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء) اب گناہوں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے۔ جب آپ دیکھ رہے ہیں ایک دیکھنے والے کو جو آپ کے حال سے باخبر ہے تو لازم ہے کہ آپ گناہوں سے بھیں۔ پھر فرمایا، ”یاد رکھنا چاہئے کہ بیعتِ اس غرض سے ہے کہ تادہ تقویٰ کے جوابِ حالت میں تکلف اور تصنیع سے اختیار کی جاتی ہے دوسرا نگ پکڑے اور بہر کت توجہ صادقین و جذب کا ملبیں طبیعت میں داخل ہو جائے اور اس کا جزو بن جائے۔“ یہ عبارت مشکل عبارت ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض وقوع ایسی اصطلاح میں استعمال فرمائے پر مجبور ہوتے ہیں جو تھوڑے لفظوں میں زیادہ بات لوگوں تک پہنچا سکتیں۔ تو یہ عربی کے مشکل لفظ ہیں اور ایسے مشکل لفظ ہیں جو بسا واقعات علماء کے لئے بھی سمجھنا مشکل ہوتے ہیں اس لئے میں عرض کر دیتا ہوں کیا مطلب ہے۔

”وہ تقویٰ کہ جوابِ حالت میں تکلف اور تصنیع سے اختیار کی جاتی ہے۔“ پہلے تو یہ سوچنے والی بات ہے کہ تقویٰ کو نہ کر بھی بیان فرمایا تھے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور مؤمنت بھی۔ تقویٰ جو حقیقی تقویٰ اور آخری تقویٰ ہے وہ مذکور ہی کملاتا ہے۔ یعنی جو تقویٰ کی حالت ہے اصل تقویٰ نہیں اسے تھے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنت میں استعمال فرمائے ہیں کیونکہ آغاز میں جو ترقی کے لئے تقویٰ ضروری ہوا کرتا ہے جیسا محدث لی لفظ فرمایا گیا یہ تقویٰ وہ تقویٰ نہیں ہے جو اس کو شش اور جدوجہد کے بعد نصیب ہو گا جوابِ اپنی تقویٰ انسان کو عطا ہوتا ہے۔ یعنی جدوجہد اور کوشش ایک تقویٰ کی ابتدائی حالت کا نام ہے۔ پس اس حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ یہ ایک حالت ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو تائیش میں بیان فرماتے ہیں۔

چنانچہ سچے تقویٰ میں تصنیع ہو ہی نہیں سکتا۔ سچے تقویٰ میں تکلف کیا۔ تو تکلف اور تصنیع کے الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ قرآنی اصطلاح تقویٰ کی بات نہیں ہو رہی بلکہ قرآنی اصطلاح اس تقویٰ کی بات ہو رہی ہے جو ایک حالت کا نام ہے جو تکلف اور تصنیع سے اختیار کرنی پڑتی ہے تاکہ بالآخر اس کو شش کے نتیجے میں آخری تقویٰ نصیب ہو جائے۔ فرمایا اول حالت میں تصنیع سے اختیار کی جاتی ہے۔ دوسرا نگ پکڑے۔ یہ دوسرا نگ ہے جس میں اصل راز چھپا ہوا ہے۔ یہ تکلف والا تقویٰ جب تک دوسرا نگ پکڑے۔ یعنی وہ تقویٰ کارنگ جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں ایک مذکور کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور ادو میں بھی ہم ہمیشہ مذکور ہی استعمال کرتے ہیں، جب تک یہ ابتدائی حالت اُس حالت میں تبدیل نہیں ہو جاتی جو تقویٰ کا دوسرا رنگ ہے اس وقت تک یہ جدوجہد جاری رہتی چاہے۔

”اور بہر کت توجہ صادقین و جذبہ کا ملبیں طبیعت میں داخل ہو جائے۔“ یہ جو دوسرا نگ ہے اس کو طبیعت میں داخل کرنے کے لئے صادقین کی توجہ ضروری ہوا کرتی ہے۔ ”جذبہ کا ملبیں“ اور جو کامل لوگ ہیں ان کا جذبہ ہے جس کے نتیجے میں یہ دوسرا نگ دل پر لفظ ہو جاتا ہے اور دل پر قبضہ جاتا ہے۔ یہ صادقوں کی برکت اور کاملین کے جذبے کی وجہ سے ہے۔ اب یہاں جذبہ کیا؟ کاملین جب ایسے شخص کو جدوجہد میں بہتلا دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں ایک غیر معمولی محبت کا جذبہ ان کے لئے اٹھتا ہے ان کے قدر میں بہتلا ہوتے ہیں اور ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ یہی جذبہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اآلہ وسلم کی زندگی میں ہمیں صحابہ میں کار فرماد کھانی دیتا ہے۔ اور بکثرت احادیث میں گواہیاں موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی ابتدائی حالت دیکھ کر اس پر رحم فرمایا کرتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے، تماکر کرتے تھے کہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ حالتوں کی طرف منتقل ہو۔

یہ وہ جذبہ کا ملبیں ہے جو طبیعت میں داخل ہو جائے۔ جب تک داخل نہ ہو جائے، اس کا جزو نہ بن جائے اس وقت تک ایسے سالک کو امن سے نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اس کے بعد پھر کیا ہو گا۔ ”اور وہ مشکلوں نور دل میں پیدا ہو جاوے۔“ وہ مشکلو جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے مثل نورہ اسی مشکلو کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رکھو وہ نور ہیں جس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ یہ ایک مشکلو کی طرح ہے جس میں اللہ کافور چک رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”جو عبودیت اور ربوبیت کے باہم تعلق شدید سے پیدا ہوتا ہے۔“ اب دیکھیں زبان مشکل لیکن مضمون کتنا حقیقی اور یقینی اور

اخبار افضل کی اہمیت

سیدنا حضرت اصلح المصلح خلیفۃ الرسالۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو ربوہ سے اخبار

الفضل کی اشاعت کے آغاز پر فرمایا:

”..... اخبار قوم کی زندگی کی علامت ہوتا ہے۔ جو قوم زندہ رہنا چاہتی ہے اسے اخبار کو زندہ رکھنا چاہئے اور اپنے اخبار کے مطالعہ کی عادت ذاتی چاہئے۔“ ہفت روزہ القشن اختر نیشنل کی خریداری قبول کر کے اس میں اشتہار دے کر اخبار کی معادنست کیجئے۔ (مئیجرا)